باغ جنت

از

مولانا عبداللہ العمادی

(۴)

دوسری تنقیح هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. یعنے اہل جنت ہمیشہ اسی میں رہیں گے، ہیں خلود (ہمشگی) پر بڑا زور دیا گیا ہے کہ آیت میں جنت سے اگر جنت دنیا مراد ہوتی تو اس میں ہمشگی کی شرط کیوں کیجاتی۔ دنیا تو خود ناپائیدار ہے پھر اس کی نعمتیں کیونکر پائدار رہسکتی ہیں لیکن اصل میں یہ ایک طرح کی غلط فہمی ہے خلود کے معنی بقائے دوام کے نہیں ہیں بقائے طویل کے ہیں[1] امام رازی فرماتے ہیں۔

قَال اصحابنا الخلد هو الثبات الطويل سواءٌ دام او لم يدم و احتجّوا فيه بالاية والعرف اَمّا الاية فقوله تعالى خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَلَوْ كَانَ التابيد داخلاً فى مفهوم الخلد لكان ذالك تكرارا. واما العرف فيقال حبس فلان فلانًا حبسًا مخلدًا ولانهٗ يكتب فى صكوك الاوقاف وقف فلان وقفًا مخلدًا[2]

ہمارے علما کہتے ہیں کہ خلود ہمشگی کے معنے دیر تک پائدار رہنا ہے چاہے ہمیشہ ہمیشہ رہے یا نہ رہے اس باب میں قرآن و محاورۂ عرب کی دلیل لاتے ہیں قرآن کی دلیل تو یہ ہے کہ بہشت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنگے۔ بقائے دوام کے معنی اگر ہمشگی کے مفہوم ہوتے تو دوبار ہمیشہ ہمیشہ کہنا کیا ضرور تھا محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کو ہمیشہ کے لیے بند رکھا ہے اور وقف ناموں میں لکھتے ہیں فلاں شخص نے ہمیشہ کیلئے جائداد وقف کی ہے حالانکہ دنیا اور اسکی کوئی چیز بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے

---

[1] سراج المنیر (طبع خیریہ مصر) صفحہ ۳۲ جلد ا۔ [2] تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۲۳۵،

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں۔

اَلخلد والخلود فی الاصل الثبات المدید	خلد اور خلود اصل میں دیر تک ثابت رہنے کو کہتے ہیں چاہے
دام او لم یدم ولذالک قیل للاثانی	کیفیت دوامی ہو یا نہ ہو اسی لئے چوٹے اور پتھروں کو بھی خوالد
والاحجار خوالد وللجزء الذی یبقی	(ہمیشہ رہنے والے) کہتے ہیں اور انسان کے جسم کا وہ جزو جو بجائے
من الانسان علی حاله مادام حیًّا	خود باقی رہتا ہے اسے بھی خلد کہا جاتا ہے ×× لیکن جہاں کہیں
خلد ×× بخلاف ما لو وضع للاعم	عام ترین معنی کے لئے یہ لفظ رکھا گیا ہو وہاں اسی اعتبار سے
منه فاستعمل فیه بذالک الاعتبار	استعمال بھی ہوتا ہے مثلاً یہ آیت ہم نے تجھ سے پہلے کسی شخص کیلئے
کاطلاق الجسم علی الانسان مثل	ہیشگی نہیں بنائی ہے لہ
قوله تعالیٰ "وَمَا جَعَلْنَا لِرَجُلٍ	
مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ" لہ	

نظام نیشاپوری نے لفظ خلد کے معنے بقائے دوام کے ہونے کے متعلق یہ بھی تشریح کی ہے کہ صرف معتزلہ نے خلد و خلود کے معنے بقائے دوام کے لئے ہیں ورنہ اشاعرہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ اس کے معنے دیر تک ثابت رہنے کے ہیں۔ بایں ہمہ اس ضمن میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ خلود کے معنی بقائے دوام نہ سہی مگر دوسرے اہل جنت میں بقائے دوام ہی ہوگا اس تاویل کی ضرورت یہ تھی کہ جس کو بہشت نصیب ہوگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نصیب ہوگی لیکن سوال یہ ہے کہ جب قرآن نے جنت کو باغ دنیا کیلئے بھی استعمال کیا ہے اور خلود کے معنی بھی بقای دوام کے نہیں ہیں تو پھر ان تاویلات کی کیا حاجت ہے؟ اور کیا ضرور ہے کہ اس دنیاوی جنت کی نعمتوں کو بھی روحانی مانا جائے جسمانی نہ مانا جائے؟

اس بیان توضیحی کا نتیجہ یہ ہے:—

لہ انوار التنزیل واسرار التاویل للقاضی البیضاوی (علی ہامش السراج المنیر) جلد ۱ صفحہ ۹۳۔

لہ غرائب القرآن ورغائب الفرقان للنظام النیساپوری (علی ہامش جامع البیان لابن جریر الطبری) جلد ۱ صفحہ ۱۹۴۔

(الف) آیت میں مہذب صالح مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے اور اس بشارت میں پہلے شرط کر دی گئی ہے کہ ان میں اسلامی تقویٰ و تہذیب (کہ حقیقت میں وہی ایک تہذیب ہے) و شائستگی و صلاحیت ہونا ضروری ہے

(ب) مدعای بشارت یہ ہے کہ جو مسلمان صالح و نیک کردار اور شریفانہ اخلاق سے آراستہ ہوں گے خدا ان کو جنت اور اس کی نعمتیں عطا کرے گا۔

(ج) یہ دور ترقی بہت دیر تک قائم رہے گا! اور اسی لحاظ سے اس کو خالد کہا جائے گا۔

(۵)

یہ تمہید تھی۔ ناظرین اب اس کے بعد منشاء آیت ملاحظہ فرمائیں۔

آیت میں اسلامی ترقی کے وعدے کو ایمان و عمل صالح سے مشروط کیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ایمان کے معنی کیا ہیں۔ ایمان یہ نہیں ہے کہ زبان تو لا الٰہ الا اللہ کہہ رہی ہو۔ اور دل میں سہ

صنمے در دل ما یافت راہ　　نحن لا نعبد الا ایاہ

کے ناپاک جذبات بھرے ہوں کہنے کو اپنے تئیں مسلمان کہا جائے مگر اسلام کے احکام سے عملاً کچھ علاقہ نہ ہو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی جگہ رسم و رواج کو دیجائے اور مذہبی و قومی پیشوائی کی منزل جو پہلے قرآن کریم کو اور صرف قرآن کریم کو حاصل تھی اب علماء کے قیاسات و مفروضات کو عطا کی جائے۔ ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خدا کی خدائی کا معتقد ہو۔ اور علم النفس میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اعتقاد وہی ہے جس کے آثار انسان کے کردار و گفتار سے ظاہر ہوتے ہیں لہٰذا وہ ایمان ہرگز ایمان نہیں ہے جس میں بندے کے افعال خدا کے احکام سے بے پرواہ ہیں قرآن میں جہاں کہیں بھی اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (وہ لوگ جو ایمان لائے) کے الفاظ وارد ہیں ساتھ کے ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور انہوں نے نیک کام کئے) بھی موجود ہیں[1]۔ اور جن آیات میں اٰمَنَ (ایمان لایا) کا تذکرہ ہے اسی کے بعد وَعَمِلَ صَالِحًا (اور نیک کام کیا) کی شرط بھی لگا دی ہے[2] جس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری

[1] دیکھو سورہ رعد و شوریٰ و مائدہ و فتح و ابراہیم و حج و یونس و بقرہ و لقمان و ق و آل عمران و نساء و شعراء و نور و سجدہ و جاثیہ۔

[2] سورہ بقرہ و مائدہ و کہف و مریم و طہٰ و قصص و سبا۔

ایمان کافی نہیں ہے اسی کے ساتھ حسن عمل بھی لازم ہے سورہ نور میں ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۔قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (سورہ ۲۴ - رکوع ۷ - آیۃ ۵۳)

اور انہوں نے اللہ کی بڑی پکی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر حکم ہو تو (بلا عذر گھر بار سب چھوڑ کر) باہر نکل کھڑے ہوں (ان سے کہو کہ) قسمیں نہ کھاؤ پسندیدہ فرمانبرداری چاہئے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے (یعنی جو ایمان کا مدعی ہو اس کو زبانی دعوے نہ کرنے چاہئیں بلکہ عمل سے اپنی ایمانداری کا ثبوت دینا چاہئے)۔

سورہ حجرات میں ہے :۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ (سورہ ۴۹ - رکوع ۲ - آیۃ ۱۵)

ایمان دار تو صرف وہ ہیں جو (۱) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک (وشبہ نہیں کیا) (۲) اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے کوشش کی (حقیقت میں) سچے یہی ہیں (یعنی جن لوگوں میں یہ دونوں شرطیں موجود ہوں ان کا ایمان تو سچا ہے اور جو ایسے نہ ہوں وہ جھوٹے بے ایمان ہیں)۔

یہ معیار ایمان اگر صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے۔ تو ہم میں کتنے ہیں جو ایمان دار کہے جا سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہوتے تو کیا یہ نہ دیکھتے کہ مسلمان کس روز بد میں گرفتار ہیں اسلامی دنیا پر نامسلمان کیوں کر غالب آتے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک بر اعظم میں مسلمانوں کی کیا گت بن رہی ہے جہالت کی ہم کو شکایت ہے لیکن اس عمارت کی بنیاد خود ہمارے ہاتھوں سے پڑی ہے۔ قومی تنزل کا گلہ ہے مگر اس طوق کو ہمارے اعمال ہی نے گلوگیر بنایا ہے۔ ترقی کی خواہش ہے لیکن ایمان کا دل میں نشان تک نہیں۔ عزت و سربلندی کی تمنا ہے مگر عمل صالح سے بے پروا ہیں۔ بلکہ کی بضاعت ہے تو سود خواروں کے لئے وقف ہے۔ ذاتی آمدنی ہے تو بے اصول کاموں میں صرف ہو رہی ہے۔ وقت ہے تو رائیگاں جا رہا ہے۔ نہ دماغ کی کسی طرح کی تربیت کی جاتی ہے۔ نہ دماغی و ذہنی قوتوں کے نشو و نما کے لئے تعلیم دی جاتی ہے۔ نہ قوم کی فلاح مطلوب ہے۔ نہ اخلاق درست ہیں

نہ درست کرنے کی فکر ہے۔ اور پھر ان بے اصولیوں کے ہوتے ہوئے ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اسلام کے جو لوازم ہیں (یعنی ترقی و سربلندی) اُن کے خواہاں رہتے ہیں!!!

یہ سادہ دل بشارت قرآن سے شاد ہے　　مومن نہیں ہے، انتم الاعلون یاد ہے

—(۶)—

بے شبہ قرآن کریم کا وعدہ تو اور نہایت سچا وعدہ ہے کہ :-

وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا

اور جو نیک عمل کریگا اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا تو اس کو نہ کسی طرح کے ظلم و ستم کا خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کی حق تلفی کا۔

(سورہ طٰہٰ۔ رکوع ۶ آیۃ ۱۱۱)

لیکن اس وعدہ کے وفا ہونیکے لئے جو شرط کی گئی ہے کیا ہم اس پر بھی ملتفت ہونا چاہتے ہیں اور دل کو ایمان دماغ کو تہذیب نفس اور تمام اعضائے جوارح کو عمل صالح کا پابند بنانے پر آمادہ ہیں ہمارے اخبار ہماری قومی حق تلفیوں کے شکوہ سنج رہتے ہیں مظالم کے دادخواہ ہوتے ہیں قوم کی تباہی کا مرثیہ سناتے ہیں اور تلافی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لیکن سوچنے کی بات نہیں ہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہماری بدبختیوں کا نتیجہ ہے مسلمان ایمان دار ہوں نیک کردار ہوں تو نہ ان پر ظلم ہو سکتا ہے اور نہ ان کی حق تلفی ممکن ہے لیکن جب اس خصوصیت سے بیگانہ ہیں تو ظلم و ستم کا گلہ کیا اور حق تلفی کی شکایت کیوں؟ اے نور چشم من بجز از کشتہ ندروی۔

—(۷)—

عمل صالح کا تعلق صرف ظواہر سے نہیں ہے عمل صالح اگر ہے تو اخلاق کو مہذب رکھنا اور اعمال کو ایسے معیار تقویٰ پر لانا ہے جس سے خود اس کو اور اس کی قوم کو فائدہ پہنچے اور وہ فائدہ بھی منشائے قرآن کے مطابق ہو جو تباہی ہم کو محیط ہے وہ اسی معیار کو نظر انداز کرنے سے لاحق ہوئی ہے دنیا میں نظر کرو دنیاوی ممالک پر نگاہ دوڑاؤ جزائر یونان کو دیکھو جزائر بحر روم کو دیکھو سسلی کو دیکھو سارڈینیا کو دیکھو ہسپانیہ کو دیکھو پرتگال کو دیکھو جنوبی فرانس کو دیکھو جنوبی

اٹالیہ کو دیکھو۔ اور پھر بتاؤ کہ ان ممالک کے مسلمان کیا ہوئے اور کہاں گئے۔ الجزائر میں جاؤ جہاں آجکل فرانس کی حکومت ہے
اور دیکھو کہ کیسی کیسی مسجدیں کلیسا کی شکل میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں اور روضوں پر صلیبیں نصب ہیں اور
مدرسوں اور خانقاہوں کے مشنری ہاؤس بنے ہوئے ہیں۔ خود اسی ہندوستان کو دیکھو اور بتاؤ کہ قطب مینار جس فاتحانہ
عظمت و سربلندی کی داستان سنا رہا ہے تاج محل جس تمدن کا نوحہ خواں ہے۔ قوۃ اسلام جس جلالت و جبروت
کی عزادار ہے جونپور کا پل اور قلعہ اور مسجدیں جس فر و شکوہ کی سوگوار ہیں
احمد آباد و لاہور کی عبادت گاہیں جس دینداری کا ماتم کر رہی ہیں۔ وہ سب باتیں کیا ہوئیں اور کدھر
گئیں۔ ہندوستان اب بھی وہی ہے لیکن اب وہ جاہ و جلال کہاں ہے جو محمد بن قاسم کے ساتھ آیا تھا۔ وہ فلسفہ کہاں ہے
جس کی ملا محمود جونپوری نے بنیاد ڈالی تھی۔ وہ فلسفہ کی درسگاہیں کیا ہوئیں جو بہار و جونپور میں قائم تھیں کیا ان سب کے
فنا ہونے کا باعث یہی نہیں تھا کہ بزرگوں نے عمل صالح کا جو میراث چھوڑا تھا وہ برباد گیا اور ہم اس سے بے خبر ہیں ہم اپنے
اخلاق و عادات کو اگر مہذب بناتے اور مہذب رکھتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا ہماری غلام نہ ہوتی، اور زمانے پر ہمارا
سکہ نہ بیٹھا رہتا ہم ایک ریگستان (عرب) سے نکل کر اپنی اخلاقی طاقتوں کی بدولت ساری دنیا پر چھا گئے تھے اب تقوی
نہ ہونے کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے بھی ہیں اور پھر بھی مٹی خراب ہو رہی ہے عبرت پذیر دل کے لئے کیا یہ خون ہو جانے
کی باتیں نہیں ہیں اور کیا اس انحطاط کی مصیبتوں میں بھی ہم کو خدا یاد نہ آئے گا۔ اور ہم اپنے ایمان و اخلاق کو محکم
نہ بنائیں گے؟ بے شبہ ہم اب بھی ترقی کر سکتے ہیں خدا نے جو وعدے کئے تھے وہ ابتدائی صدیوں کے لئے مخصوص نہ تھے
وہ پاک و مقدس وعدے ہمیشہ کے لئے ہیں اور اب بھی ان کا دہی اثر ظاہر ہو سکتا ہے۔ دنیا ہمارے لئے ہے اور دنیا کی تمام
علمی و اخلاقی و مادی و روحانی ترقیاں بھی ہمارے ہی لئے ہیں لیکن ان ترقیات کے لئے شرط کیا ہے؟ شرط محض اتنی
ہے کہ ہمارے اخلاق و اعمال میں شائستگی و تہذیب و صلاحیت ہونی چاہئے یہی شرط اگلی قوموں سے بھی ہوئی تھی اور اسی
خدا نے یاد بھی دلایا ہے کہ :-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وہ اگر توراۃ و انجیل کو قائم رکھتے (یعنی ان کے احکام کے پابند ہوتے)

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۔
مائدہ (۵) رکوع ۸۔ آیت ۶۱

اور وہ جو ان کے پروردگار کی جانب سے ان پر اترا ہے اس کی پیروی کرتے تو انھیں اتنی نعمت روزی ہوتی کہ اوپر سے اور پاؤں تلے سے کھاتے (یعنی ہر سمت ان کے لئے نعمت ہی نعمت ہوتی)۔

لیکن افسوس ہے کہ جس طرح ان اقوام نے اس شرط کو فراموش کر دیا وہی حالت آج ہماری ہے۔

کہ ایمان و عمل صالح کی پابندی پر ہم کو ترقی کی بشارت دی گئی تھی مگر ہم ہیں کہ دونوں کو بھولے اور نظر انداز کئے ہوئے ہیں اور پھر بھی ترقی کے متمنی ہیں کیا یہ کامیابی کی صورتیں ہیں اور کیا ایسی حالت میں ترقی ممکن ہے؟

بے خبر انسان کبھی کامیاب نہیں ہوتا

دین کی باتیں ہوں یا دنیا کی دونوں سے باخبر رہنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ بے خبر لوگوں کا دین بھی خراب اور دنیا بھی۔ پس۔ آپ بھی دین اور دنیا سے باخبر رہنے کی کوشش کیجئے اس کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اخبار

الجمعیۃ دہلی

برابر پڑھا کیجئے جو ہفتہ میں دو مرتبہ تمام دنیا کے اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں کی تازہ خبریں۔ مذہبی علمی سیاسی اور تاریخی مضامین تازہ ترین مذہبی فتوے عربی فارسی اور انگریزی اخبارات کے خاص خاص ترجمے۔ ہندوستان کے سیاسی اور اسلامی معاملات پر سنجیدہ اور معقول مقالات اور اہم مسائل پر دوسرے اخبارات کی رائیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ اخبار آپ کو ہندوستان کے تمام مذہبی اور سیاسی اخباروں اور رسالوں سے بے نیاز کر دیگا اخبار سب سے بڑے سائز کے آٹھ صفحوں پر عمدہ کاغذ اور بہترین کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود سالانہ چندہ صرف چھ روپے اور ششماہی تین روپیہ چار آنہ ہے۔ **نمونہ مفت منگا کر دیکھئے**

الجمعیۃ آٹھ سال سے مذہب اور ملک کی خدمات شاندار طریقہ پر انجام دے رہا ہے اور پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے

مشتہرین اور ایجنٹوں کے لئے بے حد نفع بخش ہے۔

منیجر اخبار الجمعیۃ دہلی